صلیب اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتے ہیں جبکہ ان کا علمی مقام یہ ہے کہ نصف صدی پیشتر مجدد الف ثانی کے نظریۂ توحید پر لکھا ہوا ان کا مقالہ آج بھی بین الاقوامی طور پر فلسفہ مذہب پر حوالے کی بنیادی کتابوں میں شمار ہوتا ہے۔

اپنی تصنیف منہاج القرآن میں ڈاکٹر برھان احمد فاروقی صاحب نے دعوت الی القرآن ہی کے ضمن میں چند سوالات ایسے اٹھائے ہیں جن سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں سے سب سے بڑا سوال تو یہ ہے کہ خود مسلمان قرآن حکیم کی عطا کردہ ہدایت کی نتیجہ خیزی کے اعتماد سے کیوں محروم ہوتے جا رہے ہیں؟۔ کیا محض اس لئے قرآن مجید کا رشتہ جدید علوم سے کٹ گیا' مگر ان کا دوسرا بڑا سوال یہ ہے کہ علم بالوحی اور انسانی استعداد کے زائیدہ علوم کی ثنویت کے شعور کو برقرار رکھنے کے وہ کیا تقاضے ہیں جو ہر شارح قرآن کو اپنے سامنے رکھنے چاہئیں۔

میں نے جو گزارشات پیش کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ دور حاضر میں دعوت الی القرآن اور غلبۂ اسلام کے لئے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے جس مہتم بالشان کام کا بیڑا اٹھایا ہے اس کا تقاضا ہے کہ اس قسم کا کام کرنے والے دوسرے لوگوں سے فصل کی بجائے وصل کی راہیں تلاش کی جائیں۔ جس طرح سائنس دان حضرات اپنے اپنے موقف پر قائم رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو احترام کے ساتھ برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں اور آپس میں اختلافات رکھنے کی بنیاد پر ایک دوسرے سے کٹ کر نہیں رہ جاتے اور علم کی ترقی میں باہم کوشاں رہتے ہیں' کچھ اسی قسم کا رویہ ہم قرآن حکیم کی تشریح میں نہیں اپنا سکتے؟ میں یہ بات بالخصوص ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں اس لئے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں کہ ان کے اندر اس قسم کی برداشت کا حوصلہ موجود ہے۔ محاضرات قرآنی میں ہر سال وہ مختلف مکاتیبِ فکر کے لوگوں کو بلاتے اور اپنا اپنا نقطہ نظر بیان کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور اس بات کا عام لوگوں نے بہت ہی اچھا اثر لیا ہے۔ ان کی اسی رواداری کے پیش نظر میں نے یہ جسارت کی ہے کہ ان کی کتاب دعوت رجوع الی القرآن میں جن حضرات کا ذکر نہیں آیا اس پر انہیں متوجہ کرا دوں تاکہ تعلیمات قرآن کے ذریعے غلبۂ دین یا اقامتِ دین کے بارے میں ان شخصیات کے نظریات کی جانچ پرکھ کے بعد ان کا صحیح نقطہ نظر سامنے آ

جائے - یہ محض ایک طالب علمانہ درخواست ہے -

میری دوسری درخواست یہ ہے کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ دین کے غلبے کے لئے جو مختلف شخصیتیں اور جماعتیں کام کر رہی ہیں وہ اپنے اپنے اختلافات پر قائم رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں تا کہ ان کی انفرادی کاوشوں کا مجموعی نتیجہ غلبۂ دینِ حق کی صورت میں ظاہر ہو - اگر اس پر اتفاق ہو تو شاید ایسی صورت بھی نکل آئے کہ ایک دوسرے سے تعرّض کئے بغیر تمام جماعتیں اپنا اپنا کام دلجمعی سے کرتی رہیں - یہ ایک انتہائی سادہ سی معصوم سی خواہش ہے مگر اس کا پورا ہونا شاید اتنا ہی مشکل ہے -

---

بقیہ: "قرآنِ حکیم قرنِ اوّل میں اور اس کے بعد" - ایک بلیغ اشارہ

متصوّفانہ مراقبہ کے بجائے تعمیر خودی کا درس دینا ضروری ہے مگر یہ بات بھی ذہن نشین کرنا ہو گی کہ جہاد فی سبیل اللہ کے نبوی طریق کار کے مطابق ہمہ جہت تبدیلی اور ہمہ گیر انقلاب کے لئے مکمل تیاری کرنا ہو گی - صرف "ابلاغ قرآنی" کے فن کو زندہ و متعارف کرا چھوڑنا کافی ہے - زمانہ تو قیامت کی چال چل چکا ہے' اس لئے ہمیں بھی قیامت کی چال چلنا ہو گا' قیام قیامت کے لئے صور اسرافیل کی آواز تک اگر اسلام کی تعمیر و آبیاری کا ایک پودا لگانے کی بھی مہلت مل جائے تو کم سے کم لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کی منزل پر تو بندۂ مومن پہنچ ہی جائے گا' ان شاء اللہ !

قرآن حکیم کی مقدّس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

ڈاکٹر طاھر سعید کے نام (٦)

ڈاکٹر محمد مقصود

دنیا کے مختلف نظاموں کا ایک جائزہ

(گزشتہ سے پیوستہ)

معاشرتی اور سماجی سطح پر۔ یہاں پہنچ کر اسلامی دنیا کی حالت اور بھی مایوس کن اور دگرگوں ہو جاتی ہے۔ سماجی اور معاشرتی اونچ نیچ کا وہ جسدِ فاسد و غلیظ جسے اسلام نے آکر تیر کی عمیق و اتھاہ گہرائیوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سُلا دیا تھا مغربی کرگسوں کی نقالی میں مشرقی مسکینوں نے اسے بڑی دھوم دھام کے ساتھ کھوج کرید کر نکال باہر کر دیا۔ آج معاشرتی سطح پر جتنی بڑی بے انصافی اس نام نہاد اسلامی دنیا اور خود ہمارے ملک کے اندر موجود ہے اُسے دیکھ کر واقعہ یہ ہے کہ آنکھوں سے خون ہی خون ٹپکنے لگتا ہے۔ کہاں صدیقؓ و بلالؓ اور عثمانؓ و یاسرؓ کی شکل میں مساواتِ انسانی کی وہ بلند پروازی اور کہاں انسانیت کے مابین اونچ نیچ کی یہ تفریق خبیث۔ اپنی ہی مملکتِ خداداد پاکستان کی سماجی و معاشرتی فضا میں ایک لمحے کے لیے ذرا جھانک کر دیکھئے تو ایک انتہا پر سرمایہ داروں، سیٹھوں، وڈیروں اور جاگیرداروں کا جھرمٹ ہے جو اپنے مال و دولت کے نشے میں سرمست، اپنے شراب و کباب کی محفلوں میں مگن اور اپنی عیش پرستیوں اور رنگ رلیوں میں ہمہ تن مستغرق ہیں۔ ہزاروں روپے کا ایک ایک کتا اور ایک ایک کھلونا خرید کر اپنے بے لگام اور منہ زور جوشِ شوق کی جس اندھا دھند بندگی اور بدترین غلامی کا طوق انسانوں کے بھیس میں ان خونخوار درندوں اور بھوکے بھیڑیوں نے اپنے گلے میں پہن رکھا ہے اور پھر ایک ایک کتے کے لیے دریوں، قالینوں اور کھانوں کی شکل میں بود و باش اور خورد و نوش کا جو سامانِ عیش و نشاط ان فطرت بیزار اور انسانیت دشمن حیوانوں اور چوپایوں کے ہاں بکثرت دستیاب ہے ... ایسے ایک ایک کتے کا خرچ یہاں بیسیوں بے کسوں، غریبوں اور ناداروں کی پوری زندگی کے بجٹ سے کسی طرح کم نہیں۔ عوام کے گاڑھے پسینے کی لاکھوں روپے کی کمائی بیرونِ ملک میں اُن کی ایک دن کی شاپنگ (SHOPPING) کے لیے نہایت قلیل اور ان کے کسی ایک تاج محل کی تعمیر